© rasailojaraid.com

مولانا محمد حنیف ندوی

آنحضرتؐ کے پیغام و دعوت
کی
اہم خصوصیّت

(یہ مقالہ ۱۶ راپریل ۱۹۷۳ کو پاکستان سنٹر میں منعقدہ سیرت النبیؐ کی تقریب پر پڑھا گیا)

نبوّت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فیوضِ ربوبیت سے ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ بنی نوع انسان کی رُشد و ہدایت کے لیے ایسی برگزیدہ شخصیتوں کو دنیا میں بھیجا جائے جن کا قلب مہبطِ انوار ہو۔ جو اپنے قول و فعل سے ایسے نمونوں اور کرداروں کو اُجاگر کریں، ایسی زندگی کی تخلیق کریں اور اس طرح انسانی صلاحیتوں کو ضیاء و تابندگی بخشیں کہ جس سے بشر اور اس کے ممکنات ارتقا کو پوری طرح تکمیل کے مواقع ملیں اور آج جو بزمِ کون میں تہذیب و تمدن کی گہماگہمی اور رونق ہے اور علم و ادراک کی فراوانیاں ہیں۔ یہ سب انہی نفوسِ قدسیہ کی مساعی اور کوششوں کا ثمرہ ہے۔ یہی وہ پاک نہاد حضرات ہیں جنھوں نے عقائد و اعمال کے اندھیروں میں پہلے پہل عرفان و آگہی کی شمعِ فروزاں کی۔ جنھوں نے اول اول انسان کے لیئے راہ و منزل کی تعیین کی۔ زندگی کے نقشوں کو ترتیب دیا اور یہ بتایا کہ دنیا میں رہنے اور دنیا کو سنوارنے اور جلا دینے کے آداب کیا ہیں۔

نبوّت و رسالت کا یہ سلسلہ خیر و سعادت۔ ہزاروں اور لاکھوں برسوں پر پھیلا ہوا ہے اور آنحضرتؐ کی ذاتِ گرامی اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔ آنحضرتؐ کے پیغام و دعوت کی کیا خصوصیات ہیں۔ اس کو جاننے سے پہلے بغیر کسی ترتیب کے چند احادیث سن لیجیے۔ جن سے ہلکا سا اندازہ اس چیز کا ہو سکے گا کہ آپ "خلقِ عظیم" کی کن بلندیوں پر فائز ہیں اور اپنے دامنِ [illegible] کن کن اداؤں سے دلنوازی کو سمیٹے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھا ہے۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ مدینہ میں ایک سٹھیائی ہوئی بڑھیا آپؐ کا دستِ مبارک اپنے ہاتھ لیتی اور پھر مدینہ کی گلیوں میں لیے لیے پھرتی لیکن آپ اس پر قطعاً برہم نہ ہوتے۔ آپ اکثر تبسم کناں رہتے۔ جب کسی مسلمان سے ملتے، تو السلام وعلیکم کہنے میں سبقت فرماتے، اس سے مصافحہ کرتے، اور اس وقت تک اس کا ہاتھ تھامے رہتے جب تک کہ وہ خود ہاتھ چھوڑ دینے پر آمادہ نہ ہوتا۔ حضرت انس فرماتے ہیں میں نے آنحضرتؐ کی دس سال متواتر خدمت کی لیکن اس طویل عرصے میں آپ نے نہ تو کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یوں کر لیا ہوتا۔ ایک حدیث میں آپ کی مجالس کا تفصیل سے ذکر ہوا ہے۔ اس میں کچھ اس طرح کی باتیں ہیں کہ آپ کسی محفل میں تشریف فرما ہوتے تو محفل میں شریک ہر شخص محسوس کرتا کہ حضور کی چشمِ التفات جس قدر میری جانب ہے دوسرے کی جانب نہیں۔ اس محفل میں غیبت، جھوٹ اور دل آزاری کی کوئی بات نہ ہوتی۔ اس میں اگر ذکر ہوتا تو اللہ کا، اللہ کے حکموں کا، اللہ کی تعلیم و ارشاد کا، اور اللہ کی محبت و عشق کا۔ اس حدیث میں اس بات کی تصریح بھی ہے کہ آپ اپنے عقیدت مندوں کا خاص خیال رکھتے اور اگر وہ غیر حاضر ہوتے تو لوگوں سے پوچھتے کہ آج فلاں دوست کیوں شریکِ محفل نہیں ہے۔ اس حدیث میں آپ کی اس عادت کا بھی ذکر ہے کہ آپ اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے خفا نہیں ہوئے۔

عبداللہ بن سلام نے زید بن سعنہ کے قبولِ اسلام کے بارہ میں یہ واقعہ سنایا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں نے آنحضرتؐ کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ صرف دو باتیں البتہ دیکھنا باقی تھیں۔ میں نے یہودی صحیفوں میں پڑھا تھا کہ نبی آخر الزمان وہ ہوگا جس کا درجہ حلم و بردباری، اس کی خفگی اور غصہ پر غالب رہے۔ میں اس کسوٹی پر آنحضرت کو جانچنا چاہتا تھا۔ اتفاق سے ایک دن ایسا ہوا کہ ایک بدوی آنحضرت کی خدمت میں آیا۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤگے تو رزق تمہارے قدم چومے گا۔ چنانچہ بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے لیکن اب قحط سالی نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے انھیں مایوس کر دیا ہے۔ آپ اگر اس سلسلہ میں میری مدد کریں اور ان کو کچھ بھجوا دیں تو اس سے یہ اسلام کی نعمت سے محروم نہیں رہیں گے۔ آپ نے حضرت علی کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ کیا بیت المال میں سے انھیں کچھ دیا جا سکتا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا۔ نہیں۔ بیت المال میں کچھ باقی نہیں بچا ہے۔ مَیں نے اس موقع کو غنیمت جان کر قرض کی پیش کش کی جو قبول کر لی گئی۔ مَیں چونکہ آپ کے حلم و عفو کو آزمانا چاہتا تھا اس لیے مدت مقررہ سے دو دن پہلے ہی آدھمکا اور نازیبا لہجہ میں اصرار کرنے لگا کہ میرا قرض فوراً چکا دیا جائے۔ مَیں نے آپ کے غصہ کو بھڑکانے کے لیے یہاں تک کہہ دیا کہ آپ کا خاندان ہمیشہ سے نادہندہ ہے۔ حضرت عمر میری اس گستاخی کی تاب نہ لا سکے اور قریب تھا کہ تلوار سے میری گردن کاٹ دیتے۔ آنحضرت نے یہ تیور دیکھے تو فرمایا۔ عمر! مَیں تو تم سے یہ توقع رکھتا تھا کہ تو نہ صرف اس کا حق ادا کر دے گا بلکہ اس کے استحقاق سے زیادہ اس کو دے گا۔ حضرت عمر نے یہ ارشادِ نبوی سنا تو مجھے اپنے ہاں لے گئے اور میرے حق سے زیادہ مجھ کو عطا کیا۔ مَیں نے کہا یہ کیوں۔ تو جواب میں آپ نے فرمایا۔ ارشادِ نبوی اسی سلوک کا متقاضی ہے۔ مَیں نے اس پر حضرت عمر سے پوچھا۔ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ مَیں نے کہا۔ مَیں زید بن سعنہ ہوں۔ انھوں نے کہا وہ زید جو یہودیوں کا بہت بڑا عالم اور حبر ہے۔ میں نے کہا جی ہاں وہی۔ اس پر انھوں نے پوچھا۔ تم نے یہ حرکت کیوں کی۔ مَیں نے کہا۔ مَیں نے آنحضرت کی ذاتِ گرامی میں ان تمام دلائل کا مطالعہ کر لیا تھا۔ جو نبوت کا خاصہ ہیں، صرف یہ دو باتیں دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا آپ کا وفورِ حلم۔ وفورِ غضب پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور یہ کہ کیا یہ بات صحیح ہے کہ آپ کو جس قدر غضب و غصہ پہ ابھارا جائے گا، اسی نسبت سے آپ کا جذبۂ عفو و کرم جوش میں آئے گا میں نے یہ دونوں علامتیں آپ میں دیکھ لی ہیں اور اب صدق دل سے اسلام کی حقانیت کا اقرار کرتا ہوں۔ یہی نہیں، مَیں اپنا نصف مال اُمتِ محمدیہ کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دینے کا بھی اعلان کرتا ہوں۔

آپ کے عفو و کرم کا قصہ چھڑا ہے تو اس واقعہ کو بھی ذہن میں رکھیے کہ آپ نے اس خاتون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بھی معاف کر دیا جس نے آپ کے عزیز چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ کچا چبانے کی کوشش کی تھی۔ اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ جب آپ مکہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے تو آپ نے لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر ان تمام دشمنوں کو بھی معاف کر دیا جنھوں نے آپ کی تذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور جنھوں نے اسلام کی اشاعت و فروغ کی راہ میں ہر طرح کی مشکلات پیدا کی تھیں اور آپ کے صحابہ کو ستایا اور اذیتیں پہنچائی تھیں۔ آپ کے خلق عظیم کے یہ چند پہلو ہیں۔ ان کے علاوہ رشد و ہدایت کے اس آفتاب جہاں تاب نے سیرت و کردار کی کن کن ضوفشانیوں کو اپنے گرد و پیش بکھیر رکھا تھا۔ اس کا جامع جواب ، رازدار اور ادا شناس نبوت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبان سے سنیے :

کسی نے آپ سے پوچھا ، ام المومنین ! آنحضرتؐ کے اخلاق حسنہ کی حدود کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ بیٹا! قرآن ، یعنی اس میں جو پیغام کی استواری ، دعوت کا جذب و اثر اور حسن و جمال کی تابانیاں ہیں۔ آنحضرت اس کی عملی تفسیر ہیں۔ دوسرے لفظوں میں۔ قرآنی تعلیمات اگر تجسیم اختیار کر لیں تو وہ حضورؐ کے عادات و شمائل کے سانچوں میں ڈھل جائیں گی۔ اور اگر پیغمبر کی حیاتِ طیبہ اور نور و برکت کو کتاب کی شکل میں جلوہ گر ہونا ہو تو اس کتاب کو قرآن کہیں گے۔

آپ کی دعوت و پیغام کی خصوصیات کیا ہیں اور اسلام کن معنوں میں دنیا کا منفرد مذہب ہے۔ سرِ دست جواب کے اس پہلو پر غور کیجیے اور صرف اس خصوصیت کو فکر و نظر کا محور بنائیے کہ تنہا آنحضرتؐ کی ذاتِ گرامی اور اسلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں زندگی اور فکر و عمل کے تمام تضادات نہ صرف حل ہوتے اور ایک وحدت میں انسلاک پذیر ہوتے ہیں بلکہ ایک ایسا متوازن اور خوش آیند آئینِ حیات ارزانی ہوتا ہے جس سے تہذیبِ انسانی کے نئے نئے دبستان کھلتے ہیں۔ انسانی " انا " کو تگ و تاز کے وسیع تر میدان ہاتھ آتے ہیں اور زندگی عروج و تکمیل کا وہ فطری نکھار حاصل کر لینے میں کامیاب ہو جاتی ہے جو اس کا اصلی حقیقی مقدر ہے۔

انسانی معاشرہ میں مصیبت ہے جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے یہ کائنات صدیوں سے جو زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی گوناگوں ناہمواریوں سے دوچار رہی تو اس کا واحد سبب یہ تھا کہ اس نے اس حقیقت کو فراموش کر رکھا تھا کہ چونکہ خدا ایک ہے اس لیے یہ پوری کائنات بھی ایک ہونی چاہیے۔ اس میں کہیں دوئی، ثنویت یا تضاد رونما نہیں۔ اگر کہیں تضاد یا دوئی کا احساس ہوتا بھی ہے تو وہ قطعی سطحی، عارضی اور کم نگہی کا نتیجہ ہے۔ آنحضرتؐ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کن تضادات کو ختم کیا اور وحدت و ہم آہنگی کے کیا کیا حسین پیکر پیش کیے، اس چیز کو جاننے کے لیے ہم تضاد اور ثنویت کو تین بڑے بڑے دائروں میں تقسیم کریں گے

۱۔ جسم و روح کا تضاد
۲۔ لفظ و معنی کا تضاد اور
۳۔ خیر و شر کا تضاد

۴ - فرد اور جماعت کا تضاد
۵ - عقل اور نقل کا تضاد

آئیے! تضاد و تعارض کے ان تینوں دائروں کے بارہ میں سوچیں اور یہ دیکھیں کہ اسلام کی چشم حقیقت کشا نے ان کو کس طرح وحدت و ہم آہنگی کے حسین قالب میں ڈھالا ہے۔

جسم و روح کے تضاد نے کیا گل کھلائے۔ اس کو جاننے کے لئے تاریخِ عالم کی ورق گردانی کیجیے تو آپ کو دو طرح کی تہذیبیں اور دو طرح کے مذہبی رحجان نظر آئیں گے۔ یا تو روح کو مانا گیا، اور جسم اور اس کے تقاضوں کا انکار کیا گیا اور یا پھر جسم اور ترتیبِ عناصر ہی کو حقیقت جان کر ان لطائف اور فائق تر انسانی اور روحانی تقاضوں کا انکار کیا گیا۔ جو شائستگی اخلاق کی جان اور روح ہیں۔ یعنی یا تو جسم کو ناپاک، گھٹیا اور ناقابلِ اعتنا قرار دیا گیا۔ اور یا پھر روح کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ یہ محض ایک تجرید اور دھوکہ ہے۔ ورنہ در حقیقت انسان اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اس میں کچھ خواہشات اور آرزوئیں ہیں جن سے یہ ترکیب پذیر ہے اور کچھ فریب تعقل ہے۔ ظاہر ہے فکر و نظر اور زندگی کے یہ دو بالکل مختلف دھارے اور رُخ ہیں۔ اس لیے ان سے معمورۂ ارض پر تہذیب و تمدن کے دو متضاد نقشے اُبھرے۔ ایک نقشہ ترکِ دنیا اور رہبانیت کا تھا اور دوسرا مادیت اور لذت پرستی کا۔ رہبانیت نے کس طرح انسان کو ریاکار بنا دیا۔ کس طرح اس کی تہذیبی ترقی کی راہ روکی۔ اور کیونکر مذہب و دین کو بدنام کیا۔ اس کے لیے صرف اس لٹریچر کا مطالعہ کافی ہوگا۔

© rasailojaraid.com

۶ - سرمایہ دار اور ... کا تضاد

© rasailojaraid.com

جو احیائے علوم کی تحریک کے دوران اور اس کے بعد مغرب میں لکھا گیا۔

جسم اور مادّی تقاضوں کی پرورش و اہتمام نے جو ستم ڈھائے اس کو آج ہم بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔ جسم کی اس تہذیب میں انسان صرف ایک حیوان ہو کر رہ گیا ہے اور اس سے اپنا وہ جُستہ اپنا وہ جوہر چھن گیا ہے جو اس کی "آنا" کو زمان و مکان کی حدود تیرہ سے نکال کر لاہوت کی اس غیر متناہی فضائے روشن و تابندہ میں پہنچا دینے کا ضامن تھا۔ یعنی اس دور کا انسان خود اپنی ہی فطرت سے نا آشنا ہو گیا ہے۔ اسلام نے تضاد کی اس نوعیت کو دُور کیا اور اس کے مقابلہ میں یہ موقف پیش کیا کہ زندگی ایک ہے اور روح و جسم زندگی کی محض دو سطحیں۔ اور دو طور یا ظہور ہیں۔ ان میں کوئی بھی ناپاک، غیر ضروری اور ناقابلِ توجہ نہیں۔ دونوں میں قطعی ان بن یا لڑائی نہیں۔ اور تہذیب و دین کا اشکال یہ نہیں کہ ان میں دونوں میں تعارض و اختلاف کی خلیج کو وسیع کیا جائے، بلکہ یہ ہے کہ ان دونوں سے اخلاق و کردار کی تعمیر میں مدد لی جائے۔ پاکیزہ اور قوی جسم توانا اور پاکیزہ روح کو جنم دیتا ہے اور پاکیزہ اور قوی تر روح جسم و جان کی نشاط آفرینیوں کو بڑھاتی اور جلا دیتی ہے۔

لفظ و معنی میں تضاد و تعارض کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام سے قبل یہودیت اور عیسائیت کی مذہبی تاریخ پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ یہودی فقیہوں اور فریسیوں نے الفاظ، نصوص اور احکام و نواہی کے ظاہری تقاضوں کو اس درجہ اہمیت دی کہ ان سے دین کی روح چھن گئی۔ انھوں نے یہ سمجھا اور صدیوں فکر کے اس انداز کو سینے سے لگائے رکھا کہ حقیقتِ دین صرف الفاظ، عبارات اور فقہ و قانون کی لفظی موشگافیوں میں سمٹی ہوئی ہے۔ قانون، الفاظ، اور امر و نواہی کے نظام تقنین کے پیچھے کون اصول، روح، اور معنی کارفرما ہے اس کو انھوں نے یکسر نظر انداز کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی تہذیب جامد، مشکل، اور ٹھس ہو کر رہ گئی۔ اخلاق و معنی سے ان کی زندگیاں تہی ہو گئیں اور مذہب و دین کی پیروی کے معنی صرف یہ رہ گئے ہیں کہ آپ تورات کے الفاظ کی فقہا کی موشگافیوں کی اور طوق و سلاسل کے اس اسلوب کی پیروی میں کس درجہ کوشاں ہیں۔ جن کا تعلق صرف اعمال کے ظاہر اور سطح سے ہے۔ دل کی گہرائی، روح اور اخلاق کی بلند تر سطحوں سے نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عیسائیت نے اس کے مقابلہ میں دوسرا انتہا پسندانہ قدم اٹھایا۔ چنانچہ پال نے بہانگِ دہل اعلان کیا کہ شریعت گناہ ہے، فقہ و قانون کی پابندیاں مہمل ہیں اور اصل شئ یہ ہے کہ آپ ہر ہر اقدام میں صرف روح، نصب العین اور معنی کو مدِّ نظر رکھیں۔ یہ لوگ اس جانی بوجھی حقیقت کو بھول بیٹھے کہ اگر شریعت کا تعین نہ ہو، فقہ و قانون کے دائرے نہ ہوں اور روزمرہ زندگی میں امر و نہی کی منطق کارفرما نہ ہو تو سرے سے کوئی تہذیبی نقشہ ہی ترتیب نہیں پاتا۔ اور زندگی کسی طرح کے تشخص اور انفرادیت کو اختیار نہیں کر پاتی۔

اسلام نے اس تضاد کو بھی رفع کیا اور ایسی زندہ، متوازن اور مختصر و جامع شریعت کو پیش کیا جس میں فقہ و قانون کا تعین بھی ہے اور روح و معنی کی تابش و ضو بھی — اس میں قانون کی اہمیت بھی ہے اور روحِ قانون کی پاسداری بھی۔ نصوص کی پابندیاں بھی ہیں اور نصوص کی روشنی میں قیاس و اجتہاد کی اجازت بھی۔

خیر و شر کا تضاد اس حقیقت میں پنہاں تھا کہ لوگوں نے ان دونوں کو عمل و زندگی کے دو الگ حقیقی اور مستقل بالذات روپ قرار دیئے۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں۔ خیر حقیقی، ازلی اور اپنی ذات اور فطرت کے اعتبار سے غیر متغیر ہے۔ جب کہ برائی، عارضی، غیر دائمی اور تغیر پذیر ہے۔ اسلام کا موقف یہ ہے کہ شر یا برائی تکوینی سطح پر ہو یا قانون و دین کی سطح پر۔ دونوں صورتوں میں اس کو خیر سے بدلا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بیماری کا علاج ممکن ہے، افلاس کا مداوا ہو سکتا ہے، اور گناہ یا معصیت سے دامن کشاں رہ کر، یا اس سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبودیت کے رشتوں کو استوار کیا جا سکتا ہے۔ اسلام فعل و عمل اور حرکت کو بجائے خود نیکی قرار دیتا ہے اور لغزش و خطا کو اس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا کہ یہ نیکی، خیر اور ذوقِ جمال سے انحراف کے مترادف ہے اور کوئی شخص اگر انحراف کی اس نوعیت کو پا لیتا ہے اور پھر اس کے بعد راہِ راست پر گامزن ہو جاتا ہے تو یہ انحراف آپ سے آپ ختم ہو جاتا ہے۔ اسلام کے علاوہ جن مدارسِ فکر نے شر کو مستقل بالذات وجود کی حیثیت سے تسلیم کیا ان کو اس سے [illegible] اور تناسخ کی دو غیر منطقی صورتوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں سے ایک کو بہر حال منتخب کرنا پڑا - اسلام اس جھگڑے میں نہیں پڑا - اس نے انسان کو موروثی گناہ گار ماننے کی بجائے اللہ کا نائب قرار دیا اور مسجودِ ملائک سمجھا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کا احساسِ شرف جاگا اور یہ اس لائق ہوا کہ مشکلات پر قابو پائے ، برائیوں کو خیر سے بدلے اور کائنات کی ہمواریوں کو تسخیر و تدبیر کے سانچوں میں ڈھال دے۔

آنحضرتؐ کے پیغام و دعوت کی یہ تھی وہ بہت بڑی خصوصیت جس نے مسلمانوں کے سامنے زندگی کی راہیں وا کیں - جس نے ان کے سر پر امامتِ امم کا تاج سجایا اور جس کے فیض سے انھوں نے علوم و فنون کی خدمت کی اور کائنات میں اپنے مقام و منصب کو صحیح معنوں میں سمجھا -

---

مسلمانوں کے سیاسی افکار

از پروفیسر رشید احمد

مسلمان مفکّروں نے سیاسی نظریہ سازی کی تاریخ میں بہت اہم ابواب کا اضافہ کیا ہے -

اس کتاب میں مختلف زمانوں اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمان مفکروں اور مدبروں کے سیاسی نظریات پیش کیے گئے ہیں -

یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے - پہلے باب میں قرآنی نظریۂ مملکت کی بخوبی وضاحت کی گئی ہے - جو ان سب مسلمان مفکروں کے نظریوں کی اساس ہے -

یہ کتاب بی - اے کے نصاب میں داخل ہے -

صفحات : ۴۴۰ قیمت : ۵۰/۶ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid:com